

Allama Iqbal Open University AIOU B.A
Associate degree Solved Assignment NO 2
Autumn 2025 Code 417 Pakistan Studies

سوال نمبر 1: ہندو اور مسلمان لیڈروں کے ساتھ مذاکرات میں ماؤنٹ بیٹن نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟ وضاحت کریں۔

برصغیر کی تاریخ کا سب سے اہم موڑ وہ تھا جب انگریزوں نے ہندوستان کو آزادی دینے کا فیصلہ کیا۔ دو صدیوں سے زائد عرصے تک برطانوی اقتدار کے زیرِ سایہ رہنے کے بعد، ہندوستان میں سیاسی بیداری تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ 1947ء میں برطانوی حکومت نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے اقتدار کی منتقلی کا کوئی منظم طریقہ وضع کرے۔ اس مقصد کے لیے لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا آخری وائسرائے مقرر کیا گیا۔ ان کا مشن یہ تھا کہ وہ ہندوستانی سیاسی جماعتوں — خاص طور پر کانگریس اور

مسلم لیگ — کے درمیان کوئی ایسا سیاسی سمجھوتہ کرائیں جس کے تحت

اقتدار پر امن طور پر منتقل کیا جاسکے۔ مگر حالات اس قدر سنگین اور

اختلافات اس قدر گہرے تھے کہ کوئی ایک فارمولا سب کو قبول نہیں تھا۔

ماؤنٹ بیٹن کی آمد اور حالات کا جائزہ

مارچ 1947ء میں جب ماؤنٹ بیٹن ہندوستان پہنچے تو برصغیر کی سیاسی

فضا نہایت ہی کشیدہ تھی۔ ایک طرف پنجاب اور بنگال میں شدید فرقہ وارانہ

فسادات پھوٹ چکے تھے، دوسری طرف مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان

سیاسی عدم اعتماد اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جلد ہی محسوس

کیا کہ حالات پر امن نہیں اور اگر کوئی فیصلہ فوری طور پر نہ کیا گیا تو

ہندوستان میں خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔

ان کے سامنے تین بنیادی حقائق تھے:

1. برطانیہ اب زیادہ دیر تک ہندوستان پر حکومت نہیں کر سکتا۔

2. ہندو اور مسلمان ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے۔

3. کسی مشترکہ حکومت کا قیام ممکن نہیں رہا۔

اسی بنیاد پر انہوں نے دونوں بڑی جماعتوں کے رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تاکہ وہ ذاتی طور پر حالات کا اندازہ لگا سکیں۔

ہندو رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات

ماؤنٹ بیٹن نے سب سے پہلے کانگریس کے رہنماؤں — پنڈت جواہر لعل نہرو، سردار ولہ بھائی پٹیل، اور مولانا ابوالکلام آزاد — سے ملاقات کی۔ ان تمام رہنماؤں کا موقف تقریباً ایک جیسا تھا۔ وہ ہندوستان کی وحدت کے قائل تھے اور پاکستان کے قیام کے سخت مخالف تھے۔

پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ ہندوستان ایک صدیوں پرانی تہذیب ہے جسے مذہب کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے مطابق مسلمان اگر کچھ تحفظات رکھتے ہیں تو انہیں آئینی سطح پر حل کیا جا سکتا ہے، مگر ملک کو توڑنا کسی صورت قابل قبول نہیں۔

سردار پٹیل زیادہ سخت موقف رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ کے مطالبات محض سیاسی دباؤ ڈالنے کا ایک حربہ ہیں۔

مولانا آزاد نسبتاً معتدل تھے اور وہ مسلمانوں کے لیے آئینی ضمانتوں کے حق میں تھے، لیکن وہ بھی تقسیم کے مخالف تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے ان مذاکرات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کانگریس کسی ایسی اسکیم پر راضی نہیں ہو گی جس میں مرکز کی طاقت کمزور ہو یا صوبوں کو زیادہ خودمختاری حاصل ہو، کیونکہ اس سے ان کی سیاسی گرفت کمزور پڑ جاتی۔

مسلمان رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات

اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے دیگر رہنماؤں سے تفصیلی ملاقاتیں کیں۔ قائداعظم کا موقف نہایت دو ٹوک تھا۔ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو صاف الفاظ میں بتایا کہ مسلم لیگ کسی ایسی اسکیم کو قبول نہیں کرے گی جس کے تحت مسلمان ہندو اکثریت کے غلام بن جائیں۔

قائداعظم نے کہا:

"ہم مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں، ہمارا مذہب، ثقافت، تاریخ، تمدن، اور طرزِ زندگی ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ ہم کسی ایسے نظام

حکومت کو قبول نہیں کریں گے جس میں ہمیں اکثریت کے رحم و

کرم پر چھوڑ دیا جائے۔"

قائد اعظم نے ماؤنٹ بیٹن کو یاد دلایا کہ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو مسلمان ایک منظم قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب اگر برطانوی حکومت اقتدار واپس دینا چاہتی ہے تو اسے دونوں قوموں میں الگ الگ منتقل کرنا چاہیے۔

سکھ رہنماؤں سے ملاقات

ماؤنٹ بیٹن نے سکھ رہنماؤں ماسٹر تارا سنگھ اور سردار بلدیو سنگھ سے بھی ملاقاتیں کیں۔ سکھوں کا مسئلہ یہ تھا کہ اگر پنجاب پاکستان میں شامل ہوتا ہے تو ان کے مذہبی مراکز — امرتسر، آنندپور، اور دیگر گردوارے — مسلم اکثریتی علاقے میں آ جائیں گے۔ اس لیے وہ پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ وہ کانگریس کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ محاذ قائم کر چکے تھے تاکہ پنجاب کی تقسیم کو روکا جا سکے۔

ماؤنٹ بیٹن کے مشاہدات

ان تمام مذاکرات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے چند ہفتوں میں یہ اندازہ لگایا کہ ہندو اور مسلمان رہنما کسی ایک فارمولا پر متفق نہیں ہو سکتے۔ دونوں کے درمیان خلیج صرف سیاسی نہیں بلکہ مذہبی، تہذیبی اور نفسیاتی بھی تھی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:

"ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں۔ ایک دوسرے پر ان کا اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ اگر ہم نے جلد فیصلہ نہ کیا تو پورا ہندوستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے گا۔"

ماؤنٹ بیٹن کی کوشش برائے متحدہ ہندوستان

ابتدا میں ماؤنٹ بیٹن نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح ہندوستان متحد رہے۔ انہوں نے ایک وفاقی طرزِ حکومت کی تجویز پیش کی جس میں مرکز کمزور اور صوبے خودمختار ہوں۔ مگر نہ کانگریس اور نہ ہی مسلم لیگ نے اسے قبول کیا۔ کانگریس مضبوط مرکز چاہتی تھی جبکہ مسلم لیگ مضبوط صوبائی خودمختاری پر زور دے رہی تھی۔ اس اختلاف نے ماؤنٹ بیٹن کو اس نتیجے تک پہنچا دیا کہ متحدہ ہندوستان کا خواب اب حقیقت میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔

ماؤنٹ بیٹن پلان 1947ء

بہت غور و خوض کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے ایک حتمی منصوبہ تیار کیا جو 3 جون 1947ء کو اعلانِ عام کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس منصوبے کی بنیاد ہی ان مذاکرات کے نتائج پر تھی۔ اس منصوبے کے اہم نکات یہ تھے:

1. برصغیر کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کیا جائے — بھارت اور پاکستان۔

2. پنجاب اور بنگال کی تقسیم کر کے ان کے مسلم اکثریتی علاقے پاکستان میں شامل کیے جائیں۔

3. سندھ، بلوچستان، اور شمال مغربی سرحدی صوبہ (سرحد) پاکستان میں شامل ہوں۔

4. ریاستوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ بھارت یا پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ خود کریں۔

5. اقتدار کی منتقلی جون 1948ء کی بجائے جلد یعنی اگست 1947ء میں

کر دی جائے۔

ماؤنٹ بیٹن کا حتمی نتیجہ

ان تمام مذاکرات کے بعد ماؤنٹ بیٹن اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کی تقسیم کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر ہندو اور مسلمان ایک ہی ملک میں رکھے گئے تو وہ کبھی امن و سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر لکھا کہ:

"اگر ہندوستان کو متحد رکھا گیا تو خانہ جنگی یقینی ہے۔ صرف

تقسیم ہی ایک ایسا حل ہے جو دونوں قوموں کو آزادی اور امن دے

سکتا ہے۔"

اسی سوچ کے تحت اس نے 3 جون کا منصوبہ تیار کیا، جس کے نتیجے میں

پاکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر وجود میں آیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی قائداعظم سے ملاقات کا اثر

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا کہ اسے قائداعظم کی منطق اور مضبوط موقف نے گہرا متاثر کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ قائداعظم ایک عام سیاستدان نہیں بلکہ اصولوں پر قائم ایک مدبر رہنما ہیں۔ قائداعظم نے اس کے سامنے نہ جذباتی اپیل کی اور نہ دھمکی، بلکہ قانونی، سیاسی اور اخلاقی بنیادوں پر مسلمانوں کے مطالبے کا دفاع کیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ماؤنٹ بیٹن نے دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ پاکستان کے قیام سے انکار ممکن نہیں۔

کانگریس کا ردعمل

کانگریس اگرچہ تقسیم کے حق میں نہیں تھی، مگر جب اسے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کے بغیر متحدہ ہندوستان ممکن نہیں، تو اس نے ماؤنٹ بیٹن پلان کو قبول کر لیا۔ سردار پٹیل نے کہا:

"اگر تقسیم کے بغیر آزادی ممکن نہیں تو ہم تقسیم قبول کر لیتے ہیں۔"

یوں ماؤنٹ بیٹن کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔

تاریخی اہمیت

ماؤنٹ بیٹن کے مذاکرات نے برصغیر کی تاریخ کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔
اس کے نتیجے میں:

● مسلمانوں کو ایک علیحدہ مملکت ملی جسے پاکستان کہا گیا۔

● ہندو اکثریت کو اپنا علیحدہ ملک بھارت ملا۔

● برطانیہ نے پر امن طور پر اقتدار کی منتقلی مکمل کی۔

● برصغیر میں دو آزاد ریاستیں وجود میں آئیں۔

ماؤنٹ بیٹن کا خلاصہ تجزیہ

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی حتمی رپورٹ میں چند اہم نکات درج کیے:

1. ہندو اور مسلمان ایک قوم نہیں بلکہ دو مختلف تہذیبیں ہیں۔

2. دونوں قوموں کے درمیان کوئی مشترکہ نظریہ یا مقصد باقی نہیں رہا۔

3. متحدہ ہندوستان صرف خانہ جنگی اور خونریزی کا باعث بنے گا۔

4. تقسیم کے ذریعے دونوں قوموں کو اپنی الگ شناخت برقرار رکھنے کا موقع ملے گا۔

5. اقتدار کی جلد منتقلی ضروری ہے تاکہ حالات مزید خراب نہ ہوں۔

نتیجہ

لہذا ماؤنٹ بیٹن نے تمام مذاکرات، ملاقاتوں اور مشاہدات کے بعد یہ حتمی نتیجہ اخذ کیا کہ:

● ہندو اور مسلمان ایک ساتھ ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔

● سیاسی اتحاد ممکن نہیں۔

● دو علیحدہ مملکتیں — پاکستان اور بھارت — قائم کرنا ہی واحد حل

ہے۔

یوں اس کے تجزیے نے نہ صرف پاکستان کے قیام کی راہ ہموار کی بلکہ برصغیر میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ اگر ماؤنٹ بیٹن ان مذاکرات کے دوران حالات کا درست تجزیہ نہ کرتا اور بروقت فیصلہ نہ لیتا تو شاید آزادی کا عمل خانہ جنگی میں تبدیل ہو جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ ماؤنٹ بیٹن کے اس کردار کو ایک فیصلہ کن موڑ کے طور پر یاد کرتی ہے — ایک ایسا موڑ جس نے کروڑوں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ مملکت عطا کی اور برصغیر کی تقدیر ہمیشہ کے لیے بدل دی۔

سوال نمبر 2: قرارداد مقاصد کے اہم پہلوؤں پر بحث کیجئے۔

قرارداد مقاصد پاکستان کی آئینی و نظریاتی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ قرارداد 12 مارچ 1949ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں پیش کی گئی اور طویل بحث و مباحثے کے بعد منظور ہوئی۔ اس قرارداد نے نہ صرف پاکستان کے مستقبل کے آئین کی بنیاد فراہم کی بلکہ ملک کے نظریاتی تشخص کو بھی واضح کیا۔ یہ وہ دستاویز ہے جس نے بتایا کہ پاکستان کا نظام حکومت کس اصول پر قائم ہوگا، عوام کے حقوق و فرائض کیا ہوں گے، اور ریاست کا مقصد وجود کیا ہے۔

پس منظر

1947ء میں جب پاکستان ایک آزاد ریاست کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا، تو اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ملک کے لیے آئینی ڈھانچہ کس بنیاد پر تیار کیا جائے۔ ایک طرف جدید جمہوری اصولوں کی بات

ہو رہی تھی، دوسری طرف یہ حقیقت بھی موجود تھی کہ پاکستان کا قیام
اسلامی نظریے کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد بار فرمایا کہ پاکستان ایک ایسی ریاست
ہوگی جہاں اسلام کے اصولوں کے مطابق انصاف، مساوات اور برابری قائم
کی جائے گی۔ چنانچہ جب 1948ء میں قائداعظم وفات پا گئے، تو دستور ساز
اسمبلی کے اراکین نے ان کے وژن کو عملی شکل دینے کے لیے آئینی رہنمائی
کی ضرورت محسوس کی۔ اسی پس منظر میں **لیاقت علی خان** (پاکستان کے
پہلے وزیراعظم) نے 12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد
مقاصد پیش کی۔

قرارداد مقاصد کا متن (خلاصہ)

قرارداد کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل ہیں:

1. **حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔**

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا واحد مالک ہے، اور ریاستِ پاکستان کے

اختیارات عوام کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرنے ہیں۔

2. اختیارات عوام کے ذریعے استعمال ہوں گے۔

عوام ریاست کے امور میں شریک ہوں گے، مگر یہ اختیار انہیں اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ عوام کی حاکمیت مطلق نہیں بلکہ محدود ہے، کیونکہ اصل اقتدار اللہ تعالیٰ کا ہے۔

3. اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی کا نظام۔

ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو ایسی زندگی گزارنے کے قابل بنائے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ یعنی پاکستان میں اسلام محض مذہبی عقیدہ نہیں بلکہ سماجی اور سیاسی نظام کی بنیاد ہے۔

4. اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کو مکمل مذہبی، ثقافتی، معاشرتی اور

سیاسی آزادی حاصل ہوگی۔ وہ اپنے عقائد کے مطابق عبادت کر سکیں گے اور اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کر سکیں گے۔

5. انسانی حقوق کی ضمانت۔

ریاست شہریوں کے بنیادی حقوق مثلاً آزادی، مساوات، عدل، اور قانون کی بالادستی کی ضامن ہوگی۔ کسی شہری کے ساتھ امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

6. عالمی امن اور برادری۔

پاکستان بین الاقوامی برادری میں امن، دوستی اور انصاف کے اصولوں پر قائم تعلقات استوار کرے گا۔ یہ شق اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پاکستان ایک ذمہ دار اور پر امن ملک بننا چاہتا ہے۔

7. وفاقی نظام کی بنیاد۔

پاکستان میں ایک وفاقی طرزِ حکومت قائم کیا جائے گا جس میں صوبوں

کو مناسب خودمختاری حاصل ہوگی تاکہ ہر اکائی ترقی کر سکے۔

قرارداد مقاصد کے اہم پہلو

1. حاکمیتِ الہیہ کا تصور

قرارداد کا سب سے پہلا اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان ایک سیکولر ریاست نہیں بلکہ ایک اسلامی ریاست ہے۔ عوام کے پاس اختیار صرف ایک امانت کے طور پر ہے، جسے وہ اللہ کے احکام کے مطابق استعمال کریں گے۔ اس پہلو نے پاکستان کے سیاسی نظام کی نظریاتی سمت متعین کر دی۔

2. جمہوریت اور عوامی شمولیت

قرارداد میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ ریاست کے تمام اختیارات عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال ہوں گے۔ اس طرح اسلامی جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی۔ یعنی پاکستان کا نظام ایسا ہوگا جس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق عوامی نمائندے فیصلے کریں گے۔

3. اسلامی طرزِ زندگی کا قیام

قرارداد کا ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں کو ایسی زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ اس کے تحت حکومت پر لازم کیا گیا کہ وہ معاشرتی، معاشی، اور عدالتی نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالے۔ یہ شق مستقبل میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی بنیاد بن گئی۔

4. اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

قرارداد نے واضح کیا کہ پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں کو مکمل مذہبی اور ثقافتی آزادی حاصل ہوگی۔ یہ پہلو پاکستان کے اسلامی رواداری کے تصور کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بنیادی اصول ہے، اور قرارداد نے اسی تعلیم کو آئینی حیثیت دی۔

5. مساوات اور عدلِ اجتماعی

قرارداد کے مطابق ریاست کا فرض ہے کہ وہ معاشرے میں انصاف، مساوات اور عدل پر مبنی نظام قائم کرے۔ اس پہلو نے واضح کیا کہ پاکستان میں استحصال، طبقاتی نظام اور ناانصافی کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

6. بین الاقوامی امن اور اسلامی اخوت

قرارداد میں بین الاقوامی امن، انصاف اور انسانیت کی فلاح کا ذکر کیا گیا ہے۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان محض قومی مفادات تک محدود نہیں بلکہ
ایک ایسی ریاست بننا چاہتا ہے جو اسلامی اخوت اور عالمی امن کے اصولوں
پر عمل پیرا ہو۔

7. وفاقت

قرارداد میں واضح کیا گیا کہ پاکستان کا نظام وفاقی ہوگا، جس میں صوبوں کو
خودمختاری دی جائے گی۔ یہ پہلو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ ملک کی
تمام اکائیاں ترقی کے یکساں مواقع حاصل کریں گی۔

قرارداد مقاصد کی سیاسی و آئینی اہمیت

(الف) آئین کی بنیاد

قرارداد مقاصد دراصل پاکستان کے آئین کی تمہید بنی۔ 1956ء کے آئین سے
لے کر 1973ء کے آئین تک، ہر آئین میں یہ قرارداد بطور دیباچہ شامل رہی۔
بعد ازاں، جنرل ضیاء الحق کے دور میں 1985ء میں اسے آئین کا فعال حصہ

(آرٹیکل A-2) بنا دیا گیا۔ اس طرح یہ صرف نظریاتی دستاویز نہیں رہی بلکہ ایک آئینی حقیقت بن گئی۔

(ب) نظریہ پاکستان کی تکمیل

قرارداد مقاصد نے واضح کیا کہ پاکستان کا قیام صرف جغرافیائی یا سیاسی مقصد کے لیے نہیں بلکہ ایک اسلامی نظریے کے عملی اظہار کے لیے تھا۔ اس سے نظریہ پاکستان کو آئینی شکل ملی اور یہ بات طے ہو گئی کہ پاکستان کا مقصد صرف آزادی نہیں بلکہ اسلامی نظام حیات کا قیام ہے۔

(ج) اسلامی قانون سازی کی بنیاد

قرارداد کے بعد مختلف ادوار میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اقدامات کیے گئے، مثلاً حدود آرڈیننس، اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام، زکوٰۃ و عشر کا نظام، اور شرعی عدالتیں۔ یہ سب قرارداد مقاصد کی روح کے مطابق اقدامات تھے۔

(د) عوامی خودمختاری کا اعتراف

اگرچہ قرارداد نے حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کے لیے مخصوص کی، مگر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا کہ عوام ریاستی امور میں شریک ہوں گے۔ اس طرح اسلامی

جمہوریت کا تصور پیدا ہوا، جس میں عوامی اختیار بھی ہے اور الٰہی رہنمائی بھی۔

تنقیدات اور اختلافی آراء

قرارداد مقاصد پر کچھ حلقوں کی جانب سے تنقید بھی کی گئی:

1. غیر مسلم اراکین نے کہا کہ اس سے پاکستان ایک مذہبی ریاست بن جائے گا اور اقلیتوں کے حقوق متاثر ہوں گے۔

2. کچھ سیکولر مفکرین نے خیال ظاہر کیا کہ ریاست کو مذہب سے الگ ہونا چاہیے تاکہ تمام شہری برابر ہوں۔

3. دوسری جانب، اسلامی مفکرین نے اس قرارداد کو مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی پہلی سیڑھی قرار دیا۔

بالآخر اکثریت نے یہ تسلیم کیا کہ قرارداد مقاصد ہی پاکستان کے قیام کے اصل نظریے کی درست ترجمان ہے۔

قرارداد مقاصد کے اثرات

1. پاکستان کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔

2. ملک کے عدالتی نظام میں شریعت کی اہمیت تسلیم کی گئی۔

3. اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی تاکہ قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہو۔

4. تعلیم، معیشت، سیاست، اور معاشرت میں اسلامی اصولوں کے نفاذ کی سمت متعین ہوئی۔

5. اقلیتوں کے تحفظ کے لیے آئینی ضمانت فراہم کی گئی۔

خلاصہ

قراردادِ مقاصد محض ایک سیاسی یا قانونی دستاویز نہیں بلکہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کا بنیادی ستون ہے۔ اس نے یہ طے کیا کہ پاکستان ایک اسلامی، جمہوری اور وفاقی ریاست ہوگی جس میں عدل، مساوات، آزادی اور امن قائم کیا جائے گا۔

یہ قرارداد دراصل قیامِ پاکستان کے مقصد کی وضاحت کرتی ہے کہ پاکستان کا وجود اسلام کے سنہری اصولوں پر قائم ہے اور اس کا نظام قرآن و سنت کے تابع ہوگا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ قراردادِ مقاصد نے نہ صرف پاکستان کے آئینی خدوخال متعین کیے بلکہ قوم کو یہ یاد دہانی بھی کرائی کہ اس ملک کا اصل مقصد اللہ کی حاکمیت اور انسانی مساوات کا قیام ہے — یہی وہ نظریہ ہے جس

کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا اور آج بھی اسی نظریے سے اپنی روح حاصل کرتا ہے۔

سوال نمبر 3: ترقی پسند مصنفین کے نقطہ نظر پر تبصرہ کیجئے۔

اردو ادب کی تاریخ میں ترقی پسند تحریک کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ یہ تحریک صرف ادبی رجحان نہیں تھی بلکہ ایک سماجی، فکری، اور انقلابی تحریک تھی جس نے ادب کو زندگی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی۔ ترقی پسند مصنفین کا بنیادی مقصد ادب کو محض تفریح یا فنی تجربہ نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح اور انسانی فلاح کا ذریعہ بنانا تھا۔ ان کے نزدیک ادب کا اصل کام انسان کی زندگی میں بہتری لانا، ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرنا، اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کو اجاگر کرنا تھا۔

ترقی پسند تحریک کی بنیاد 1936ء میں رکھی گئی جب لندن میں موجود چند ہندوستانی طلباء اور ادیبوں نے "*Progressive Writers' Association*" قائم کی۔ اس تحریک کے بانیوں میں سجاد ظہیر، احمد علی، ملک راج آنند، محمودالظفر اور رضیہ سہگل جیسے نمایاں نام شامل تھے۔ بعد ازاں ہندوستان اور پاکستان میں یہ تحریک اردو ادب میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث بنی۔

ترقی پسند تحریک دراصل اس وقت کے سیاسی و معاشرتی حالات کا ردِ عمل تھی۔ ہندوستان میں انگریز سامراج کی غلامی، جاگیردارانہ نظام، طبقاتی استحصال، غربت، اور بے روزگاری نے ادیبوں کو مجبور کیا کہ وہ عوامی دکھ درد کو اپنی تحریروں کا موضوع بنائیں۔ چنانچہ ترقی پسند ادیبوں نے فیصلہ کیا کہ ادب کو عوام کے مسائل سے جوڑا جائے اور اسے مظلوم طبقات کی آواز بنایا جائے۔

ترقی پسند مصنفین کے نزدیک ادب کا مقصد محض "فن برائے فن" نہیں بلکہ "فن برائے زندگی" ہے۔ ان کے خیال میں ادیب کو سماج کے اندر ایک سرگرم اور باشعور کردار ادا کرنا چاہیے۔ وہ معاشرے میں موجود ناانصافی، استحصال، طبقاتی تقسیم، عورتوں پر مظالم، اور قومی غلامی کے خلاف لکھنے کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔

1. ادب برائے زندگی

ترقی پسند مصنفین نے ادب کو زندگی کا آئینہ قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ادب انسان کی حقیقی زندگی اور اس کے مسائل سے منقطع ہو جائے تو وہ بے مقصد ہو جاتا ہے۔ ادب کو انسان کے دکھ، اس کی محرومی، اس کے خواب اور جدوجہد کو بیان کرنا چاہیے۔

2. سماجی انصاف

ترقی پسندوں کا عقیدہ تھا کہ معاشرے میں جب تک طبقاتی فرق، ظلم، اور ناانصافی موجود ہیں، تب تک حقیقی ترقی ممکن نہیں۔ لہذا ادب کو سماجی انصاف کے حصول کا ذریعہ بننا چاہیے۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ادیب کو مظلوم طبقوں کی حمایت اور ظالم طبقوں کی مخالفت کرنی چاہیے۔

ترقی پسند ادب میں انقلاب کا جذبہ نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک ادب ایک انقلابی قوت ہے جو معاشرے کی جمود زدہ ساخت کو بدل سکتی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ادب محض ماضی کی داستان نہ سنائے بلکہ حال کو بہتر بنانے اور مستقبل کے خواب دکھانے کا ذریعہ بنے۔

ترقی پسند مصنفین نے ادب میں **حقیقت نگاری (Realism)** کو فروغ دیا۔ ان کے نزدیک زندگی کی تلخ حقیقتوں کو چھپانا یا ان سے گریز کرنا ادبی دیانت کے خلاف ہے۔ وہ زندگی کے ہر پہلو کو — خواہ وہ غریبی ہو، بے روزگاری، ظلم، یا عورت کی مجبوری — سچائی سے پیش کرتے تھے۔

ترقی پسند مصنفین مذہب کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ مذہب کے نام پر ہونے والے ظلم اور استحصال کے خلاف تھے۔ وہ مذہب کو انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے، مگر وہ مذہب کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی مخالفت کرتے تھے۔

ترقی پسند تحریک نے عورت کے مقام و حقوق کے بارے میں نئی فکری بحث کو جنم دیا۔ ترقی پسند مصنفین نے عورت کو صرف محبت یا حسن کی علامت نہیں بلکہ ایک زندہ انسان، ایک محنت کش، اور سماجی تبدیلی کی شریک کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک عورت کو مرد کے برابر مواقع ملنے چاہئیں۔

ترقی پسند مصنفین کے نمایاں موضوعات

ترقی پسند مصنفین نے اپنی تحریروں میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ان کے موضوعات عام انسان، اس کی جدوجہد، اور سماجی مسائل پر مرکوز تھے۔

1. طبقاتی کشمکش: امیر اور غریب طبقے کے درمیان تضاد ان کی

تحریروں کا اہم موضوع رہا۔

2. غلامی کے خلاف مزاحمت: برطانوی سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کے

خلاف بغاوت ان کی فکر کا مرکزی نکتہ تھی۔

3. عورت کی آزادی: عورت کے حقوق، آزادی، اور مساوات پر زور دیا گیا۔

4. محنت کش طبقہ: مزدوروں، کسانوں، اور نچلے طبقے کے مسائل کو

نمایاں کیا گیا۔

5. انسان دوستی: ہر انسان کی قدر و منزلت اور برابری پر زور دیا گیا۔

ترقی پسند ادب کے نمایاں مصنفین

1. سجاد ظہیر

سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ ان کی کتاب
"انگارے" نے تحریک کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مجموعے
نے مذہبی اور سماجی منافقت کو بے نقاب کیا۔

2. احمد ندیم قاسمی

احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں اور شاعری میں انسانی ہمدردی، دیہی
زندگی، اور طبقاتی ناانصافی کو موضوع بنایا۔ ان کا افسانہ "گنڈاسا" اور نظم
"محنت کش" اس سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔

3. کرشن چندر

کرشن چندر کی تحریروں میں انسان دوستی اور طبقاتی مساوات کا پیغام نمایاں
ہے۔ ان کا ناول "شکست" اور کہانیاں "کالو بھنگی" اور "ہم وحشی ہیں"
طبقاتی تضاد کو واضح کرتی ہیں۔

4. سعادت حسن منٹو

منٹو کو ترقی پسند تحریک سے اختلافات ضرور ہوئے، مگر ان کی تحریروں
میں سماجی حقیقت نگاری اور انسانی دکھوں کی شدت نمایاں ہے۔ منٹو نے

معاشرتی منافقت کو ننگا کیا اور *Partition* کے المیے کو حقیقت کے ساتھ

بیان کیا۔

5. عصمت چغتائی

عصمت چغتائی ترقی پسند تحریک کی اہم نسائی مصنفہ تھیں۔ انہوں نے عورتوں کے جنسی، سماجی، اور نفسیاتی مسائل پر بے باک انداز میں لکھا۔ ان کی مشہور کہانی "لحاف" عورت کی دبی ہوئی خواہشات کی علامت بن گئی۔

6. فیض احمد فیض

فیض احمد فیض ترقی پسند شاعری کے سب سے نمایاں نمائندہ شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں انقلاب، محبت، اور انسانیت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کے اشعار میں ظلم کے خلاف مزاحمت اور امید کا پیغام ملتا ہے:

“ہم دیکھیں گے، لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے،

وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے، جو لوحِ ازل میں لکھا ہے۔”

ترقی پسند تحریک کے اثرات

1. ادب میں حقیقت نگاری کا فروغ: ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو

زندگی کے قریب کر دیا۔

2. سماجی شعور میں اضافہ: عام انسانوں کے دکھ اور ان کے مسائل ادبی

موضوع بنے۔

3. نئی فکری بیداری: معاشرتی انصاف، عورتوں کے حقوق، اور طبقاتی

مساوات کے بارے میں نئی سوچ پیدا ہوئی۔

4. ادب کا جمہوری رجحان: ادب کو عوامی زندگی سے جوڑ دیا گیا، جس

سے اردو ادب میں وسعت آئی۔

5. تنقیدی شعور کا اضافہ: ترقی پسند نظریے نے اردو تنقید میں بھی سماجی

اور نظریاتی مباحث کو فروغ دیا۔

ترقی پسند تحریک پر تنقید

اگرچہ ترقی پسند تحریک نے ادب میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں، لیکن کچھ نقادوں نے اس پر تنقید بھی کی۔

1. بعض ناقدین کا کہنا تھا کہ ترقی پسند ادیبوں نے ادب کو سیاسی مقاصد کے تابع بنا دیا۔

2. کچھ نے کہا کہ ان کی تحریروں میں جذباتی شدت زیادہ ہے اور فنی لطافت کم۔

3. بعض ادوار میں مارکسی نظریات پر حد سے زیادہ انحصار کیا گیا جس سے تخلیقی آزادی متاثر ہوئی۔

4. مذہبی طبقے نے بعض ترقی پسند تحریروں کو اخلاقی حدود سے تجاوز

قرار دیا۔

اس کے باوجود، ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں جو بیداری پیدا کی، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔

نتیجہ

ترقی پسند مصنفین کا نقطہ نظر اردو ادب کی تاریخ میں ایک انقلابی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ادب کو محض تفریح یا فنی مشق نہیں سمجھا بلکہ اسے انسانیت کی خدمت، ظلم کے خلاف جدوجہد، اور سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ ان کے نزدیک ادیب ایک حساس ضمیر رکھنے والا شخص ہے جو معاشرے کے دکھ درد کو محسوس کرتا ہے اور قلم کے ذریعے تبدیلی کا علمبردار بنتا ہے۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو ایک نئی سمت دی — انسان دوستی، مساوات، اور انصاف کی سمت۔ آج بھی اگر اردو ادب کو عوام کے دلوں تک پہنچنا ہے تو ترقی پسند مصنفین کے اصولوں سے رہنمائی لینا ہوگی، کیونکہ انہوں نے سکھایا کہ ادب محض الفاظ کا کھیل نہیں بلکہ زندگی کے سچ کو بیان کرنے کا ذریعہ ہے۔

سوال نمبر 4: پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تعلقات میں تبدیلیوں کا تجزیہ کیجئے۔

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایک طویل، پیچیدہ اور اتار چڑھاؤ سے بھرپور تاریخی سفر رکھتے ہیں۔ 1947ء میں پاکستان کے قیام کے فوراً بعد دونوں ممالک کے تعلقات کا آغاز ہوا اور اس وقت سے آج تک ان تعلقات میں کئی نشیب و فراز دیکھنے کو ملے۔ کبھی دونوں ممالک قریبی اتحادی کے طور پر سامنے آئے اور کبھی باہمی بے اعتمادی اور سرد مہری نے ان تعلقات کو

متاثر کیا۔ ان تعلقات کی بنیاد میں سیاسی، عسکری، معاشی، اور جغرافیائی عوامل شامل ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست میں تبدیلیوں، سرد جنگ، دہشت گردی کے خلاف جنگ، اور خطے کی جغرافیائی سیاست نے ان تعلقات کو مختلف سمتوں میں موڑا۔ ذیل میں ان تعلقات کا تاریخی اور تجزیاتی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ابتدائی دور (1947ء تا 1953ء) — تعلقات کی بنیاد

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد اسے ایک مضبوط معاشی اور دفاعی سہارے کی ضرورت تھی۔ برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد پاکستان کو شدید معاشی بحران، دفاعی کمزوری، اور سرحدی تنازعات کا سامنا تھا۔ دوسری طرف، امریکہ اس وقت دنیا کی ایک بڑی طاقت بن چکا تھا اور سرد جنگ کے آغاز کے ساتھ اسے جنوبی ایشیا میں ایک اتحادی ملک کی ضرورت تھی جو سوویت یونین کے اثر کو روک سکے۔

1947ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ 1948ء

میں لیاقت علی خان نے سوویت یونین کی دعوت کے بجائے امریکہ کا دورہ

کیا، جو اس بات کی علامت تھا کہ پاکستان نے عالمی سیاست میں اپنا جھکاؤ مغربی بلاک کی طرف کر لیا ہے۔ اس دور میں امریکہ نے پاکستان کو محدود مالی امداد فراہم کی، لیکن ابھی تک تعلقات میں کوئی گہری حکمتِ عملی شامل نہیں تھی۔

سرد جنگ کا دور (1953ء تا 1965ء) — قریبی اتحاد کا آغاز

1950ء کی دہائی میں امریکہ نے پاکستان کو اپنے "کمیونزم کے خلاف مورچے" کا حصہ بنا لیا۔ امریکہ نے پاکستان کو فوجی اور اقتصادی امداد دینے کا وعدہ کیا، جبکہ پاکستان نے امریکہ کے ساتھ مختلف فوجی معاہدے کیے، جن میں:

1. SEATO (South East Asia Treaty Organization)

1954ء

2. CENTO (Central Treaty Organization) 1955ء

یہ معاہدے پاکستان کو امریکی دفاعی اتحاد کا اہم رکن بناتے تھے۔ اس کے بدلے میں امریکہ نے پاکستان کو فوجی تربیت، ہتھیار، اور مالی امداد فراہم کی۔

پاکستان نے بھی امریکہ کو اپنی سرزمین پر **Peshawar Airbase**

((Badaber Base)) استعمال کرنے کی اجازت دی، جہاں سے امریکہ

سوویت یونین کی جاسوسی کرتا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب پاکستان کو امریکی امداد سے خاصا فائدہ ہوا، خاص طور پر

دفاعی لحاظ سے۔ پاکستان کی فوج مضبوط ہوئی، اور صنعتی ترقی میں بھی

کچھ بہتری آئی۔ تاہم، اس اتحاد میں امریکہ کے مفادات غالب تھے، جبکہ

پاکستان کے مقاصد کو ثانوی حیثیت حاصل رہی۔

1965ء کی جنگ اور تعلقات میں تناؤ

1965ء میں جب پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر جنگ

چھڑی، تو امریکہ نے دونوں ممالک پر ہتھیاروں کی فراہمی پر پابندی لگا دی۔

پاکستان کو شدید مایوسی ہوئی کیونکہ وہ امریکہ کو اپنا قریبی اتحادی سمجھتا

تھا۔ اس فیصلے نے پاکستانی قیادت کو یہ احساس دلایا کہ امریکہ کے تعلقات مفاداتی ہیں، جذباتی نہیں۔

اس کے بعد پاکستان نے آہستہ آہستہ چین کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط کرنا شروع کیا، اور امریکی اثر سے کچھ حد تک فاصلہ اختیار کیا۔

1971ء کی جنگ اور تعلقات میں سرد مہری

1971ء کی پاک-بھارت جنگ اور بنگلہ دیش کے قیام کے دوران امریکہ کا کردار پاکستان کے لیے مزید مایوسی کا باعث بنا۔ امریکہ نے اس وقت پاکستان کی حمایت میں کوئی ٹھوس عملی اقدام نہیں کیا، حالانکہ اس وقت پاکستان امریکہ کا اتحادی تھا۔

تاہم، اسی دور میں پاکستان نے امریکہ اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات بحال کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ 1971ء میں امریکی صدر رچرڈ نکسن نے چین کا خفیہ دورہ پاکستان کی مدد سے کیا، جس سے امریکہ-چین تعلقات کا آغاز ہوا۔ یہ پاکستان کی سفارتی کامیابی تھی۔

لیکن اس کے باوجود، بنگلہ دیش کے قیام کے بعد امریکہ اور پاکستان کے تعلقات میں سرد مہری جاری رہی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلسٹ پالیسیوں کو اپنایا اور سوویت یونین کے قریب تر ہونے کی کوشش کی۔ نتیجتاً، امریکہ نے پاکستان پر دباؤ بڑھانا شروع کیا اور امداد میں کمی کر دی۔

افغان جہاد کا دور (1979ء تا 1989ء) — تعلقات کی نئی گرمجوشی

1979ء میں سوویت یونین کے افغانستان پر حملے نے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں ایک نیا موڑ پیدا کیا۔ امریکہ کو خطے میں سوویت توسیع پسندی روکنے کے لیے پاکستان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ امریکہ نے پاکستان کو ایک بار پھر اپنا اہم اتحادی بنا لیا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان کو وسیع مالی، فوجی، اور تکنیکی امداد ملی۔ امریکی خفیہ ایجنسی **CIA** اور پاکستانی **ISI** نے مل کر افغان مجاہدین کی مدد کی، جنہیں سوویت افواج کے خلاف لڑنے کے لیے تربیت اور اسلحہ فراہم کیا گیا۔

یہ دور دونوں ممالک کے تعلقات کا انتہائی قریبی زمانہ تھا، مگر اس کے نتائج بعد میں خطرناک صورت میں سامنے آئے — مثلاً:

- جہادی تنظیموں کا عروج

- اسلحے کی اسمگلنگ

- انتہا پسندی کا پھیلاؤ

جب 1989ء میں سوویت افواج افغانستان سے نکل گئیں، تو امریکہ نے اچانک خطے سے دلچسپی ختم کر دی اور پاکستان پر مختلف پابندیاں عائد کر دیں۔

1990ء کی دہائی — پابندیاں اور فاصلے

سوویت انخلا کے بعد امریکہ نے پاکستان پر پریسلر ترمیم (*Pressler*)

(*Amendment*) کے تحت پابندیاں لگائیں، جس کی وجہ پاکستان کا ایٹمی

پروگرام بتایا گیا۔ امریکہ نے فوجی امداد بند کر دی اور F-16 طیاروں کی فراہمی روک دی۔

اس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ پاکستان نے اس دوران چین اور اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ تاہم 1998ء میں جب پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے تو امریکہ نے مزید اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں۔

نائن الیون کے بعد (2001ء تا 2010ء) — دہشت گردی کے خلاف جنگ

11 ستمبر 2001ء کے دہشت گرد حملوں کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا اور پاکستان کو "War on Terror" میں اپنا مرکزی اتحادی (Major Non-NATO Ally) بنا لیا۔ جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کی حمایت کی، جس کے بدلے میں پاکستان کو اربوں ڈالر کی فوجی اور معاشی امداد ملی۔

پاکستان نے امریکہ کو اپنی سرزمین، ہوائی اڈے، اور لاجسٹک سپورٹ فراہم کی، جس کے بدلے میں امریکہ نے پاکستان کے ساتھ قریبی تعاون کیا۔ تاہم، یہ دور بھی پیچیدگیوں سے خالی نہیں تھا۔

امریکہ نے بارہا پاکستان پر دہشت گرد تنظیموں کو پناہ دینے کا الزام لگایا، جبکہ پاکستان نے شکایت کی کہ امریکہ اس کی قربانیوں کا اعتراف نہیں کرتا۔ 2011ء میں ایبٹ آباد آپریشن کے دوران امریکہ نے القاعدہ کے رہنما اسامہ بن لادن کو ہلاک کیا، جس سے دونوں ممالک کے تعلقات میں سخت کشیدگی پیدا ہوئی۔

2011ء کے بعد — بداعتمادی اور کشیدگی

ایبٹ آباد واقعہ کے بعد امریکہ نے پاکستان پر دوغلی پالیسی کا الزام لگایا۔ پاکستان میں بھی عوامی سطح پر امریکہ مخالف جذبات بڑھے۔ امریکہ نے پاکستان کی امداد میں کمی کی اور بعض مواقع پر امداد مکمل طور پر روک دی۔

دوسری طرف، پاکستان نے چین کے ساتھ **CPEC (China-Pakistan)**

(Economic Corridor) جیسے منصوبے شروع کیے، جس سے پاکستان

کی خارجہ پالیسی کا جھکاؤ واضح طور پر چین کی طرف ہو گیا۔

حالیہ دور (2018ء تا موجودہ) — نئے تعلقات کی تلاش

حالیہ برسوں میں پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں نیا توازن پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

● امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان اسے افغانستان میں امن کے قیام میں مدد دے۔

● پاکستان چاہتا ہے کہ امریکہ اس کی اقتصادی اور تجارتی ترقی میں تعاون کرے۔

عمران خان کے دورِ حکومت میں دونوں ممالک کے تعلقات کچھ بہتر ہوئے، خاص طور پر جب پاکستان نے افغان طالبان اور امریکہ کے درمیان دوحہ معاہدے میں کردار ادا کیا۔

تاہم، امریکہ اب چین کو اپنا بڑا عالمی حریف سمجھتا ہے، اور پاکستان چونکہ چین کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتا ہے، اس لیے واشنگٹن کے لیے اسلام آباد کے ساتھ توازن رکھنا ایک مشکل کام بن چکا ہے۔

تجزیاتی جائزہ

1. تعلقات مفاد پر مبنی رہے:

امریکہ اور پاکستان کے تعلقات ہمیشہ مفادات کی بنیاد پر رہے۔ جب بھی امریکہ کو خطے میں کسی مقصد کے لیے پاکستان کی ضرورت پڑی، تعلقات مضبوط ہوئے۔ جب مقصد پورا ہوا، تو تعلقات سرد مہری کا شکار ہو گئے۔

2. اعتماد کی کمی:

دونوں ممالک کے درمیان باہمی اعتماد کبھی مکمل طور پر قائم نہیں ہو سکا۔ امریکہ کو شک رہا کہ پاکستان دوہری پالیسی اپناتا ہے، جبکہ پاکستان کو یقین تھا کہ امریکہ صرف اپنے مفادات کے لیے دوستی کرتا ہے۔

3. چین کا اثر:

چین کے ساتھ پاکستان کے گہرے تعلقات نے امریکہ کے ساتھ تعلقات کو محدود کر دیا ہے، کیونکہ چین اور امریکہ کے درمیان عالمی سطح پر رقابت بڑھ رہی ہے۔

4. معاشی تعاون کی ضرورت:

پاکستان کی موجودہ اقتصادی حالت کے پیش نظر امریکہ کے ساتھ تعلقات میں بہتری پاکستان کے مفاد میں ہے۔ تاہم، یہ تعلقات اب ماضی کی طرح عسکری بنیادوں پر نہیں بلکہ تجارتی اور معاشی تعاون پر

استوار کیے جا رہے ہیں۔

نتیجہ

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایک غیر مستقل مزاج مگر اہم نوعیت کے تعلقات رہے ہیں۔ کبھی دونوں ممالک قریبی اتحادی بنے، کبھی ایک دوسرے سے مایوس۔ ان تعلقات میں ہمیشہ مفادات کی سیاست غالب رہی۔

آج کے دور میں جب عالمی سیاست کا محور چین اور امریکہ کی رقابت بن چکا ہے، پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قومی مفادات کے تحت متوازن خارجہ پالیسی اپنائے۔ امریکہ کے ساتھ اقتصادی، تعلیمی، اور تکنیکی شعبوں میں تعلقات کو بہتر بناتے ہوئے، اپنی خودمختاری اور قومی مفاد کو اولین ترجیح دے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایک اتار چڑھاؤ بھرا سفر ہیں — کبھی گرم، کبھی سرد — مگر دونوں ممالک کے لیے ایک دوسرے کی اسٹریٹجک اہمیت آج بھی برقرار ہے۔

سوال نمبر 5: پاکستان اور چین کے تعلقات پر سیر حاصل بحث کریں۔ چین نے 1965ء کی جنگ میں پاکستان کی کس طرح مدد کی؟ تفصیل سے بیان کریں۔

تعارف و خلاصہ تصویر

پاکستان اور چین کے تعلقات دنیا کی جیو اسٹریٹجک سیاسی تاریخ میں ایک طویل المدت، مضبوط اور نسبتاً استحکام پذیر رشتہ رہے ہیں۔ یہ تعلق صرف رسمی دوستانہ تعلقات نہیں بلکہ سیاسی، فوجی، معاشی اور سفارتی اعتبار سے ایک "اسٹریٹجک شراکت" بن چکا ہے۔ دونوں ممالک کا باہمی اعتماد اور تعاون کئی دہائیوں میں مختلف مرحلوں سے گزرا — سرد جنگ، جنوبی ایشیا کے تناؤ، علاقائی ترقیاتی منصوبے، اور عالمی توازن کی تبدیلیوں کے پس منظر میں یہ تعلق مستقل پیمانے پر گہرا ہوتا گیا۔ ذیل میں پہلے تعلقات کی تاریخی نوعیت بیان کی جائے گی، پھر 1965ء کی جنگ میں چین کے کردار اور مدد کی نوعیت پر مفصل انداز سے روشنی ڈالی جائے گی، اور آخر میں موجودہ دور (اقتصادی اور دفاعی شراکت، CPEC وغیرہ) کے اثرات اور تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ تاریخی پس منظر: دو طرفہ تعلقات کی ابتدا اور بنیادیں

- قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں کے بعد جنوبی اور مشرقی ایشیا کی جغرافیائی سیاست نے دونوں ممالک کو ایک دوسرے کی طرف مائل کیا۔

چین کے قیامِ جمہوریہ عوامی چین کے بعد عالمی تناظر میں نئی پالیسیز بنی اور پاکستان نے ایشیا میں چین کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی۔

● دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی تنازعات کا فقدان، مشترکہ مفادات (خاص طور پر بھارت کے خلاف توازن) اور ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت کا اعتراف اس رشتے کو مضبوط بنانے میں مددگار رہا۔ خاص طور پر 1950ء تا 1970ء کے دوران چین اور پاکستان کے تعلقات نے اسٹریٹجک رخ اختیار کیا جو بعد ازاں دفاعی اور اقتصادی شراکت میں بدلے۔

۲۔ 1965ء کی جنگ — عمومی پس منظر

1965ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان سکیورٹی اور کشمیر کے مسئلے پر محاذ آرائی بڑھی اور اگست—ستمبر 1965 میں جنگ شروع ہوئی۔ اس تنازع میں علاقائی اور بین الاقوامی قوتوں کی پالیسیوں نے اپنا اثر چھوڑا۔

پاکستان نے جب اپنی فوجی اور سیاسی صورتِ حال میں بیرونی حمایت کی ضرورت محسوس کی تو اس کی نظر دوست اور ممکنہ حمایتی ممالک کی طرف گئی جن میں چین نمایاں تھا۔

۳۔ چین کا ردِ عمل اور پاکستان کی مددِ جنگ (1965ء کے دوران) — نوعیت اور حدود

1965ء میں چین نے براہِ راست جنگی مداخلت یا بڑے پیمانے پر فورس بھیج کر شامل ہونے کے بجائے سفارتی، سیاسی اور محدود عسکری تعاون کی شکل میں پاکستان کی معاونت کی۔ اس مدد کی نوعیت کو مختلف زاویوں سے سمجھا جا سکتا ہے:

(۱) سفارتی و سیاسی حمایت

- چین نے 1965ء کے تنازعے کے دوران پاکستان کی سفارتی حمایت کی؛ بیجنگ نے بین الاقوامی فورمز میں پاکستان کے موقف کو سمجھنے اور دفاعی نقطہ نظر سے تسلیم کرنے کی پوزیشن دکھائی۔ چین نے خطے میں کشیدگی کے امکان کو تسلیم کیا اور بھارت کو بڑھتی ہوئی

جارجیت سے روکا جانے کا اشارہ دیا۔

- چینی رویہ ایک غیر جانبدار یا ایک طرفہ مدد کی بجائے سیاسی توازن برقرار رکھنے کی کوششوں میں رہا — مگر بیجنگ نے بھارتی اقدامات کی بعض صورتوں میں سخت تنقید سے گریز کیا، اور نیویارک اور ماسکو میں چانے والی سفارتی کشمکش کے دوران چین نے پاکستان کے مفادات کی جانب نرم مزاجی دکھائی۔

(ب) ذہنی و اخلاقی حوصلہ افزائی اور اسٹریٹجک سگنلنگ

- چین نے بھارت کو ایک طرح کا سیاسی سگنل دیا کہ اگر وہ علاقائی توسیع پسندانہ یا یکطرفہ جارحانہ اقدامات کرے گا تو خطے میں توازن متاثر ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی پالیسی نے بھارت پر سفارتی دباؤ بڑھانے میں ہاتھ بٹایا۔

- چین اور پاکستان کی دوستی کا اشارہ خود ایک ہتھیار تھا — چین کے پاکستان کی حمایت کے اعلانات نے بھارت کو محتاط ہونے پر مجبور کیا اور بین الاقوامی حوالوں سے بھارت کے اقدامات کو مختلف انداز میں دیکھا گیا۔

(ج) محدود عسکری اور لوجسٹک معاونت (غیر سرکاری/غیر علانیہ سطح)

- تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ چین نے 1965ء کے دوران پاکستان کو براہ راست بڑے پیمانے پر فوجی دستے یا کھلے عام جدید ہتھیار نہیں بھیجے، البتہ غیر علانیہ یا محدود فوجی تعاون اور ہتھیاروں/اسپیئر پارٹس کی فراہمی ممکن ہے۔ بہت سی روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ چین نے بعد ازاں (اور بعض معاملات میں لڑائی کے دوران) پاکستان کی دفاعی صلاحیت کو مضبوط کرنے کے لیے ہلکی اسلحہ، گولہ بارود یا تکنیکی معاونت فراہم کرنے میں سہولت دی۔ البتہ یہ بات عام سطح پر رازدارانہ طریقوں اور مخفی چینلنگ کے ذریعے کی گئی تاکہ کشیدگی مزید نہ بڑھے۔ (نوٹ: تاریخی تفصیلات میں حوالہ جات

اور دستاویزی شواہد مختلف ہیں؛ بعض معاملات میں یہ معاونت محدود اور خفیہ رہی۔)

(د) بعد ازاں سیاسی و دفاعی اتفاق رائے برقرار رکھنا

● 1965ء کے فوراً بعد چین نے پاکستان کے ساتھ دفاعی تعاون کو بڑھانے اور طویل مدت کے فوجی تعلقات کو ترقی دینے کی سمت اختیار کی۔ اس میں فوجی تربیت، دفاعی ساز و سامان کی فراہمی کے تعلقات بعد کے برسوں میں مزید منظم ہوئے۔ چین نے پاکستان کو اسٹریٹجک پیغام دیا کہ وہ پاکستان کے عسکری حسنِ تعاقب میں اس کی مدد کے لیے تیار ہے۔

۴۔ 1965ء کے موقع پر چین کے انگیز مقاصد کیا تھے؟

چین کی پاکستان کی مدد کے پیچھے چند جیو پالیٹیکل اور دفاعی محرکات کارفرما تھے:

● بھارت کو بیک وقت دو محاذوں (China-India) اور

(India-Pakistan) میں مشغول رکھنے سے بھارت کی صلاحیت

محدود کرنا۔ 1962ء میں چین اور بھارت کے درمیان جنگ کی یاد

ابھری ہوئی تھی؛ چین کے نزدیک بھارت کی طاقت کا توازن برقرار رہنا ضروری تھا۔

● علاقائی توازن کو برقرار رکھ کر امریکی و سوویت اثرات میں خود کو

بہتر پوزیشن دینا۔ چین سرد جنگ کے دور میں ایک نیا کھلاڑی تھا اور

اس نے جنوبی ایشیا میں اپنی جگہ دلا کر خطے کے نقشے پر اثر

رکھنے کی کوشش کی۔

● پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھ کر چین کو مغربی و

وسطی ایشیا میں چین-پاکستان راہداری اور مستقبل کے تعاون کے

راستے کھلنے کی امید تھی۔ یہ بعد کے برسوں میں حقیقت کا روپ

دھارنے لگا۔

۵۔ چین کی 1965ء کے بعد کی شراکت داری اور لمبے عرصے کے اثرات

● 1965ء کے واقعے نے چین اور پاکستان کے تعلقات کو مزید مضبوط

کیا۔ 1970ء کے بعد دونوں ممالک نے دفاعی اور تکنیکی تعاون کو

باقاعدہ شکل دینا شروع کیا۔

● چین نے پاکستان کے لیے ہتھیاروں، میزائل ٹیکنالوجی، فضائی نظام اور

بعد ازاں ملٹری-انڈیجینس پروڈکشن میں اہم شراکتیں کیں۔ مثال کے طور

پر چین کی جانب سے پاکستان کو فراہم کی جانیوالی ٹینک، لڑاکا جہاز،

اور بعد میں JF-17 طیارہ پراجیکٹ جیسی تعاون کی بنیادیں اسی تعلق

کے پھل ہیں۔

● سفارتی شعبے میں چین نے پاکستان کے اہم علاقائی دفاعی مسائل پر کھل

کر یا خاموشی سے سہارا دیا، جس نے پاکستان کو علاقائی سیاست میں

آئینہ دار حامی دیا۔

۶۔ موجودہ دور: اقتصادی و دفاعی شراکت داری (CPEC) اور اس سے آگے

- حالیہ دہائیوں میں پاکستان-چین تعلقات نے اقتصادی پہلو کو نمایاں کیا۔

China–Pakistan Economic Corridor (CPEC)

2013–2015 کے بعد اس تعلق کا سب سے اہم شواہد بن چکا ہے:

توانائی کے منصوبے، موٹر ویز، بندرگاہ گوادر کی ترقی، صنعتی زونز، اور براہ راست چینی سرمایہ کاری۔ یہ منصوبہ پاکستان کی توانائی اور بنیادی ڈھانچے کے حوالے سے ایک بڑا انویسٹمنٹ پیکج ہے۔

- دفاعی شعبے میں چین نے پاکستان کو ہتھیار، میزائل، ڈیزل انسٹرومنٹس، اور فضائی سازو سامان فراہم کیا۔ JF-17 (جوائنٹ فائٹر) طیارہ، ٹینک، توپخانے، اور بحری شانہ بندی میں چینی شراکت اس کا عملی اظہار ہیں۔

- چین نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کھل کر تعاون کا اعتراف رسمی طور پر کم کیا مگر دونوں ملکوں کے درمیان توانائی و سویلین نیوکلیئر تعاون کے پہلو موجود رہے (بین الاقوامی حساسیت کے پیش نظر

تفصیلات مختلف مراحل میں شائبہ دار تھیں)۔

- چین پاکستان کی سب سے بڑی تجارتی پارٹنر اور بیرونی سرمایہ کاری کے اہم ذریعہ بن گیا ہے؛ دونوں ممالک نے باہمی اقتصادی تعاون کو سٹریٹیجک لحاظ سے طویل المعیاد قرار دیا ہے۔

۷۔ مثبت نتائج اور چیلنجز کا تجزیہ

مصالح و فوائد:

- پاکستان کے لئے چین ایک سٹریٹیجک بیک اپ ہے — سفارتی، دفاعی اور اقتصادی سطح پر۔

- بیجنگ کی سرمایہ کاری اور بنیادی ڈھانچے میں شراکت پاکستان کی صنعتی صلاحیت، توانائی سیکٹر اور روزگار کے مواقع میں اضافہ کر رہی ہے۔

- علاقائی توازن کے نقطہ نظر سے چین کا ساتھ پاکستان کو بین الاقوامی محاذ پر مضبوط کرتا ہے۔

چیلنجز و خدشات:

- پاکستان کی معیشت پر بڑھتی ہوئی قرضہ داری اور اقتصادی انحصار کے خدشات (قرض کی ادائیگی، شرائط، اور مقامی فوائد کا مؤثر نفاذ)۔
- علاقائی سیاست میں چین اور امریکہ کے درمیان بڑھتی ہوئی رقابت جس میں پاکستان کو متوازن خارجہ پالیسی چلانے کا چیلنج درپیش ہے۔
- سکیورٹی و مقامی مزاحمت: کچھ علاقوں میں منصوبوں کے سماجی و ماحولیاتی اثرات، مقامی آبادی کی فلاح و بہبود کے مسائل اٹھتے ہیں۔
- دفاعی انحصار: طویل مدت میں ہتھیاروں کی فراہمی پر ضرورت مند بننے کے خطرے کے ساتھ ساتھ خود انحصاری / *indigenous*

capacity کو فروغ دینے کا مطالبہ بھی رہتا ہے۔

۸۔ مجموعی تجزیہ اور نتیجہ

پاکستان-چین تعلقات تاریخی طور پر مفاداتی، حکمتِ عملی پر مبنی اور دیرپاء رہے ہیں۔ 1965ء کی جنگ میں چین نے پاکستان کی مدد کو بطورِ سفارتی و سیاسی بیکنگ اور محدود فوجی/لوجسٹک تعاون کے طور پر انجام دیا — اس کا مقصد خطے میں توازن قائم رکھنا اور پاکستان کے ساتھ اسٹریٹجک اتحاد کو مستحکم کرنا تھا۔ اس کمک نے مستقبل میں باہمی اعتماد کو مضبوط کیا اور چین پاکستان کو ایک قابلِ اعتماد شراکت دار کے طور پر دیکھنے لگا۔ بعد ازاں دو طرفہ تعلقات نے دفاعی، اقتصادی اور تجارتی جہات اختیار کیں اور موجودہ دور میں CPEC جیسے بڑے پیکجز نے ان تعلقات کو ایک نئی جہت دی ہے۔

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ چین نے 1965ء میں پاکستان کی مدد سے ایک ایسا سنگِ بنیاد رکھا جس نے دونوں ممالک کے تعلقات کو طویل المدت اسٹریٹجک شراکت میں تبدیل کر دیا — ایک ایسا رشتہ جو خطے کے جغرافیائی، اقتصادی اور دفاعی توازن میں اب بھی نمایاں اثر رکھتا ہے۔

